ڈوبتے ہوئے مظلوم انسان!

مرزا جہاندار شاہ اورنگزیب عالمگیر کا پوتا تھا۔ مغل سلطنت کا شیرازہ بکھر چکا تھا۔ دربار سازشوں اور ریشہ دوانیوں کا گڑھ بن چکا تھا۔ دہلی کی سلطنت اس حد تک کمزور ہو چکی تھی کہ پورے ہندوستان میں ریاستیں اپنی آزادی کا اعلان کر رہی تھیں۔ شاہی فوج میں بددلی پھیل چکی تھی۔ اس ابتری کی حالت میں امیر الامراء ذوالفقار خان نے طاقت کے زور پر جہاندار شاہ کو دہلی کے شاہی تخت پر بٹھا دیا۔ المیہ یہ تھا کہ جہاندار شاہ شمشیر اور سازش کے زور پر زبردستی تخت نشین تو ہو گیا لیکن اسے حکمرانی کا کوئی تجربہ نہیں تھا اور وہ حد درجہ نکما انسان تھا۔ جہاندار شاہ شراب کے نشے میں دھت رہتا تھا۔ دربار کے اندر بھی اسی حالت میں موجود رہتا تھا۔ اس میں وہ تمام برائیاں موجود تھیں، جو کسی بھی اچھے حکمران میں ہرگز ہرگز نہیں ہونی چاہیے۔ درباریوں کو من مانی کرنے کی کھلی چھٹی ملی ہوئی تھی۔ سرکاری عمال، رعایا سے ٹیکس وصول کرتے ہوئے شرافت کی ہر دہلیز پار کر جاتے تھے۔ اذیت پہنچا کر پیسے اکٹھے کرتے تھے اور پھر اپنا حصہ وصول کر کے، باقی رقم خزانے میں جمع کرا دیتے تھے۔ بادشاہ شاہی خزانہ رعایا کی فلاح پر خرچ کرنے کے بجائے، طوائفوں، ڈومنیوں اور رذیل لوگوں پر صرف کرتا تھا۔ اس میں ایک حد درجہ خوبصورت کنیز لعل کنور بھی شامل تھی۔ جہاندار اس کنیز پر اس قدر عاشق تھا کہ سالانہ اسے خرچ کے لئے دو کروڑ روپے دیا کرتا تھا۔ اس میں اس خاتون کے کپڑوں کا خرچہ شامل نہیں تھا۔ بادشاہ نے اس کنیز کو ''امتیاز محل'' کا لقب عنایت کر رکھا تھا۔ جب وہ شاہی محل سے باہر نکلتی تھی، تو پانچ سو مسلح سپاہی، اس کی معیت میں چلتے تھے۔ لعل کنور کا مرتبہ ملکہ جیسا ہی تھا۔ اخلاقی گراوٹ کا عالم یہ تھا کہ بادشاہ اور اس کی یہ کنیز نیم عریاں لباس میں شاہی دربار میں آ جاتے تھے۔ شاہی دربار میں سنجیدہ ایشو تو زیر بحث آتے ہی نہیں تھے، مسخرے، بھانڈ، سازندے اور گویے اہم ہو چکے تھے۔ اندازہ لگائیے کہ یہ لوگ اتنے بے تکلف تھے کہ دربار میں بادشاہ جہاندار شاہ کا مذاق اڑاتے تھے۔ یہ ہندوستان کی عظیم مغل سلطنت کے وہ ابتر ایام تھے جو 1857ء میں ختم ہوئے۔ میرا مقصد قطعاً یہ نہیں کہ آپ کو ایک نااہل بادشاہ اور اس کی منہ چڑھی کنیز کا قصہ سناؤں۔ لیکن مجھے کافی عرصے سے، پاکستان بھی جہاندار شاہ کا ہندوستان لگ رہا ہے۔ ملک کے حکمرانوں، افسر شاہی، نظام انصاف اور کاروباری اشرافیہ میں شرافت، وضعداری اور متانت کا وہی فقدان معلوم ہو رہا ہے جو مغل سلطنت کے آخری ایام تھے۔ مگر آپ دل تھام کر اصل قصہ ضرور پڑھیے گا۔ ایک شام، عالم بے خودی میں جہاندار شاہ اور امتیاز محل، جھروکے سے محل سے متصل دریا جمنا کی روانی سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ دور سے ایک بڑی کشتی میں مسافر نظر آئے۔ یہ بالکل عام سی بات تھی کیونکہ دریا کے کناروں پر آباد شہروں، قصبوں اور دیہات کے لوگ کشتیوں ہی میں سفر کرتے تھے۔ نشے کے عالم میں امتیاز محل نے ترنگ میں آ کر بادشاہ کو کہا، کہ بادشاہ حضور! میں نے آج تک لوگوں کو دریا میں ڈوبتے ہوئے نہیں دیکھا۔ جہاندار شاہ نے کہا، کہ یہ تو معمولی سا کام ہے۔ آپ کا ہر حکم سر آنکھوں پر۔ اسی وقت شاہی محل سے سپاہی بھجوائے گئے اور دریا میں اس کشتی کو تلاش کیا گیا۔ کشتی کے تمام مظلوم مسافر امتیاز محل کی نظروں کے سامنے زبردستی دریا برد کر دئے گئے۔ یہ المیہ اور ظلم، ایک طوائف کی لذتِ نظارہ کے لئے برپا کیا گیا۔ جہاندار شاہ کے اس حکم سے امتیاز محل حد درجہ خوش ہوئی۔ اس کا شکریہ ادا کرنے کی غرض سے رقص کرنے لگی۔ قصہ کوتاہ یہ کہ جہاندار شاہ نے اپنی نالائقیوں اور سفاکانہ حرکتوں سے ہندوستان جیسی عظیم ریاست کے بخیے ادھیڑ دیئے۔ ذوالفقار خان جس نے شہزادہ جہاندار شاہ کو بادشاہ بنایا تھا، اس نے صرف گیارہ ماہ بعد اس ظالم بادشاہ کو قتل کروا ڈالا۔

یہ سب کچھ آپ کی خدمت میں پیش کرتے ہوئے مجھے حد درجہ تکلیف ہو رہی ہے۔ اس لئے کہ جس سفاکی سے ہمارے عظیم ملک کو برباد کیا گیا ہے، ایسا ہی کچھ جہاندار شاہ اور اس کے جانشین بادشاہوں کے دور میں ہندوستان کے ساتھ کیا گیا تھا، پاکستان میں بھی ہر دور میں جہاندار شاہ اور امتیاز محل جیسے سفاک اور ظالم کردار موجود رہے ہیں۔ جب سلطنت دہلی خرابے اور عالم نزع میں مبتلا تھی، تب ایک طاقتور مدبر بادشاہ کی ضرورت تھی لیکن اس وقت سلطنت موقع پرستوں، خوشامدیوں، رقاصاؤں، بھانڈوں اور خواجہ سراؤں کے ہاتھوں میں چلی گئی تھی۔ گزشتہ سات دہائیوں پر نظر ڈالتا ہوں، تو ہمارے ملک میں بھی ایسی بہت سی ادنیٰ شخصیات سامنے آ جاتی ہیں۔ جنہوں نے ہمارے سرسبز و شاداب اور شاداں ملک کو عذابوں اور سانحات میں دھکیل دیا۔ خاکسار، کسی سیاسی گروہ کا خوشہ چیں نہیں ہے۔ اس کے لئے ان گنت کرائے کے لکھاری اور نام نہاد دانشور موجود ہیں اور ہر زمانے میں اس قماش کے اہل قلم و علم موجود رہے ہیں۔ آج بھی وہ ماشاء اللہ، اپنے قلم اور علم کی جولانیاں دکھا رہے ہیں۔ مگر عوام کا مقدر کیا ہے؟ انہیں کیوں، جہاندار شاہوں اور امتیاز محلوں جیسے حکمرانوں اور کنیزوں کے حوالے کر دیا گیا۔ عام پاکستانیوں کا قصور کیا ہے؟ اکثر اصحاب غلطی کرتے ہوئے، ایک خاص دور کو مورد الزام ٹھہراتے ہیں۔ ہوسکتا ہے ان کا نقطہ نظر درست ہو۔ مگر بگاڑ تو 14 اگست 1947ء سے شروع ہو چکا تھا۔ طالب علم، شخصیت پرستی کا قائل نہیں ہے۔ انسان کا کردار اور عمل، اس کی شخصیت کا اصل آئینہ دار ہے۔ 1947ء میں متحدہ پنجاب کے اندر خون کی ندیاں نہیں بلکہ دریا بہا دیئے گئے۔ ایک برطانوی فوٹو گرافر نے ان گنت انسانی لاشوں کو کیمرے کی آنکھ میں محفوظ کر کے دنیا کے سامنے پیش کیا تو پوری دنیا میں کہرام مچ گیا۔ تاج برطانیہ تک ششدر رہ گیا۔ متحدہ پنجاب کے شہروں، قصبوں اور دیہات میں جوہڑوں، کھیت کھلیانوں، کنوؤں بلکہ ہر جگہ چودہ لاکھ بے گناہ اور سادہ لوح انسانوں کی لاشیں بے گور و کفن پڑی رہیں۔ ان کی تدفین اور آخری رسومات کے لئے کوئی جگہ نہیں تھی۔ متحدہ پنجاب کے لاکھوں گھرانے تباہ و برباد ہو گئے، ان میں مسلمانوں اور سکھوں کا سب سے زیادہ جانی اور مالی نقصان ہوا، لاکھوں خواتین بیوہ ہوئیں، اغوا ہوئیں، بوڑھے والدین کی آنکھوں کے سامنے جوان اولادیں تہہ و تیغ ہو گئیں، مشرقی اور مغربی پنجاب کا کوئی گھرانہ ایسا نہیں ہے جو ڈائریکٹ یا ان ڈائریکٹ تاریخ کے اس عظیم قتل عام سے متاثر نہ ہوا ہو، ان زخموں سے آج بھی خون بہہ رہا ہے مگر دل تھام کر سنیئے۔ 14 اگست 1947ء کے ایک یا دو دن بعد، پنجاب کے انگریز گورنر نے لاہور کے گورنر ہاؤس میں اشرافیہ کے لئے رقص و سرود کی محفل کا اہتمام کیا۔ جسے انگریزی اصطلاح میں Ball کہا جاتا ہے۔ اس میں اشرافیہ اور اہم ریاستی عمال کو مدعو کیا گیا، انگریز صوبے دار کی میزبانی میں جشن آزادی منایا جا رہا تھا۔ یعنی پنجاب میں قیامت برپا تھی لیکن ہمارے اہم لوگ جہاندار شاہ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے جام سے جام ٹکرا رہے تھے اور رقص کرنے میں مصروف تھے۔ اس محفل کے شرکاء کی اخلاقی پستی اور ذہنی فتور کے متعلق کیا عرض کیا جا سکتا ہے؟ صرف بددعا ہی نکلتی ہے۔

یہاں ایک اور دل دہلانے والے رقص کا ذکر کرتا ہوں۔ بلوائیوں کے جتھے بے بس خواتین اور مردوں کو زندہ پکڑ لیتے تو انہیں برہنہ کیا جاتا تھا۔ میدان میں تنور گرم کیا جاتا، اس پر لوہے کا توا رکھ دیا جاتا تھا۔ انسان کے سر کو کاٹ کر جسم پر گرم توا رکھ دیا جاتا تھا جو جسم سے چپک جاتا تھا۔ انسانی دھڑ تڑپتے ہوئے دائیں بائیں بھاگتا تھا۔ دھڑ کو بے حس اور ساکت ہونے میں بیس سے پچیس منٹ لگتے تھے۔ سر کے بغیر لاشے کو تڑپتے دیکھ کر بلوائی خواہ وہ سکھ تھے، ہندو تھے یا مسلمان، تالیاں بجاتے اور اپنے اپنے مذہبی نعرے بلند کرتے تھے۔ 1947ء سے لے کر اب تک کسی حکمران کے دور حکومت کو گہرائی سے پرکھیے۔ ہر ایک نے اس ملک سے اپنی بھرپور قیمت وصول کی ہے۔ اپنی اولاد کے لئے خزانے جمع کئے ہیں۔ اور اس کے بعد، قوم و ملک کے لئے منافقانہ بیان دیتے ہوئے غائب ہو گیا ہے۔ یہ سلسلہ ابھی تک جاری ہے۔ فرق صرف ایک ہے کہ سوشل میڈیا، نے حکمران طبقہ کی عیش کوشی کو عام لوگوں کے سامنے کھول کر رکھ دیا ہے۔ کوئی بھی عمل اب چھپا نہیں ہے۔ موبائل فون کے کیمرے نے وہ وہ لمحات محفوظ کر رکھے ہیں کہ کوئی شخص بھی اپنے جھوٹ کو چھپا نہیں سکتا۔ جنہیں ہم نازیبا ویڈیوز کا نام دیتے ہیں، وہ حد درجہ پارسا نظر آنے والوں مرد اور خواتین کو عریاں کر رہی ہیں۔ اشرافیہ کے خاندانوں کے اخراجات جو سرکار ادا کر رہی ہے، وہاں سے لے کر ان کی ناجائز جائیدادوں کی تمام تفصیل اب سوشل میڈیا سب کے سامنے رکھ رہا ہے۔ اشرافیہ اپنا رویہ بدلنے کے بجائے، ہاتھ دھو کر جدید ٹیکنالوجی پر اپنا غصہ نکال رہی ہے۔ کوئی سوشل میڈیا کو بند کرنے کا حکم صادر فرما رہا ہے۔ تو کوئی، فائروال کی بات کر رہا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ حالیہ بجٹ میں قصر صدارت اور وزیراعظم کی رہائش گاہوں کے لئے پچھلے برسوں سے بھی زیادہ رقم مختص کی گئی ہے۔ یہ دو عملی نہیں ہے، بلکہ پوری قوم کے اجتماعی شعور کے ساتھ کھلواڑ کے مترادف ہے۔ مگر یہاں کون پروا کرتا ہے۔ کسی بھی ادارے یا سیاسی فریق کے پاس، پاکستان کو اپنے پیروں پر کھڑا کرنے کا کوئی پروگرام نہیں۔

دراصل جہاندار شاہ اور امتیاز محل جیسے شاہی کردار ستر سال سے پاکستان کے سسٹم پر قابض ہیں، وہ ستر برس سے عالم بے خودی میں اطمینان سے حکمرانی کرتے چلے آ رہے ہیں۔ لوگوں کو مہنگائی کے سیلاب میں دریا برد کیا جا رہا ہے۔ عام شہریوں سے مہنگائی، بے روزگاری، کرپشن کے گرم توے پر رقص بسمل کرایا جا رہا ہے۔ کوئی فریاد سننے والا نہیں، کوئی بھی مسئلے حل کرنے کے لئے آگے آنے والا نہیں، خدا سے پوچھتا ہوں کہ باری تعالیٰ، کس سے فریاد کریں!